تحریر: محمد اورنگزیب اعوان

آغا شورش کاشمیریؒ

"شمع آزادی کا پروانہ خار زار سیاست کا آبلہ پا"

معروف عوامی شاعر حبیب جالب نے مجاہد ختم نبوت شورش کاشمیریؒ مرحوم کو ان اشعار میں خراج عقیدت پیش کیا۔

اک عمر لڑا ظلم سے تو بے سرو ساماں
پیدا کہاں آفاق میں تجھ سا جری انساں
انگریز کی اولاد سے بھی ہار نہ مانی
قائم رہی تازیست تیری شعلہ بیانی
لکھی ہوئی تاریخ میں ہے تیری کہانی
انگریز کے زنداں میں کٹی تیری جوانی
مرتے ہیں کہاں مر کے بھی تجھ جیسے قلندر
تو آج بھی زندہ ہے محمد ﷺ کے ثنا گر

زندگی کے وجود کو کائنات کے لامتناہی سلسلہ کے ساتھ جوڑنے والے لوگ قوموں کی تشکیل اور تعمیر میں بنیادی اینٹ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی موجودگی کا احساس ان کے وجود کے ختم ہونے کے بعد بھی مستقل طور پر نظر آتا رہتا ہے۔ ان کی باتیں تاریخ کے ہر موڑ کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان کا چہرہ تاریخ کا چراغ روشن کیئے رکھتا ہے۔ ایسے لوگ صرف قومی اور بین الاقوامی اثاثہ ہی نہیں ہوتے بلکہ نایاب خزانہ بھی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی فہرست میں آغا شورش کاشمیری مرحوم کا نام بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ خطابت، صحافت اور شاعری و سیاست کے میدانوں میں اپنا لوہا منوانے والا شورش، کسی جاگیردار، وڈیرے اور سرمایہ دار کے خاندان کا چشم و چراغ نہیں تھا بلکہ وہ ایک ایسے قبیلے کا فرد تھا جو محنت پیہم کے بل بوتے پر زندگی کے کارواں کو رواں دواں کرنے کے قائل ہوتے ہیں۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو صرف یہ جانتے ہیں کہ

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہل دل
ہم وہ نہیں جن کو زمانہ بنا گیا

۱۴، اگست ۱۹۱۷ء میں جب پہلی جنگ عظیم اپنے عنفوان شباب پر تھی تو ہندوستان کے شہر امر تسر میں ڈار ذات سے تعلق رکھنے والے ایک غریب کشمیری گھرانے میں لڑکے کی ولادت ہوئی۔ والدین نے اس نومولود بچے کا نام عبدالکریم رکھا۔ یہ بچہ ابھی سن بلوغت کی سات یا آٹھ بہاروں سے لطف اندوز ہوا تھا کہ موت کے بے رحم پنجوں نے اس معصوم بچے کو ماں کی آغوش شفقت سے محروم کر دیا۔ والدہ کی ناگہانی وفات کے بعد عبدالکریم کی پرورش اور تعلیم و تربیت دادی صاحبہ کی زیر نگرانی ہوئی جو کہ صوم وصلواۃ کی پابند، انتہائی متقی اور پرہیز گار تھیں۔ اس خاندان نے ہجرت کر کے جب مستقل طور پر لاہور میں سکونت اختیار کی تو عبدالکریم کے والد محترم نظام الدین مرحوم نے اسے انار کلی بازار میں واقع دیو سماج ہائی سکول میں داخلہ دلا دیا۔ عبدالکریم نے جو بے پناہ شرمیلا اور کم گو مزاج کا حامل طالب علم تھا اپنی پوری توجہ حصول تعلیم کی جانب مرکوز رکھ کر اساتذہ سے اپنی ذہانت و فطانت کا لوہا منوالیا۔ اسی سکول سے میٹرک کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا۔ بعد ازاں معاشی طور پر گھر کی روز بروز گرتی ہوئی صورتحال سے مجبور و بے بس ہو کر عبدالکریم مزید تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ تو قائم نہ رکھ سکا لیکن اپنی خداداد صلاحیتوں اور وسیع تر مطالعہ کی بنیاد پر اس نے وہ مقام حاصل کر لیا جس کے سامنے بڑی بڑی ڈگریاں رکھنے والے قابلیت کے لحاظ سے ہیچ نظر آتے تھے۔ عبدالکریم کے دادا جناب امیر بخش مرحوم، مولانا ظفر علی خان سے دلی عقیدت و انسیت کے باعث چونکہ مستقل طور پر اخبار ''زمیندار'' منگوایا کرتے تھے۔ عبدالکریم نے بھی بچپن ہی سے ''زمیندار'' کے باقاعدہ مطالعہ روزمرہ کی مصروفیات کا ایک حصہ بنا لیا تھا۔ طبیعت کا رجحان ابتدا ہی سے شعر و ادب کی طرف مائل ہوتا چلا گیا۔ شعر و ادب سے اس قلبی لگاؤ نے عبدالکریم کی پوشیدہ جبلّی صلاحیتوں اور خوبیوں کو اجاگر کرنا شروع کر دیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بہت قلیل مدت میں اس نے علمی و ادبی دنیا میں شہرت و مقبولیت کا بلند مقام حاصل کر لیا اور اپنا تخلص ''الفت'' تجویز کر کے ایک نوجوان شاعر کی حیثیت سے عوام و خواص میں متعارف ہونے لگے۔ برصغیر کے ممتاز و نامور شاعر حضرت احسان دانش نے اس ابھرتے ہوئے نوجوان شاعر کی پرجوش اور ہنگامہ خیز صلاحیتوں سے متاثر ہو کر اس کا تخلص تبدیل کر کے ''الفت'' کی بجائے ''شورش'' رکھ دیا۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے اخبار ''الہلال'' نے شورش کی سیاسی طور پر ذہنی و فکری نشوونما میں اہم کردار ادا کیا اور خطیب الامت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ولولہ انگیز اور بصیرت افروز خطابت نے اس جواں عزم اور سرفروش مجاہد کے دل و دماغ میں فرنگی سامراج کے خلاف نفرت و حقارت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ مزاج میں آزادی کا عنصر اتنا زیادہ تھا کہ وہ اسیری اور پابندی کا ایک لمحہ بھی گوارا نہ کر سکتے تھے۔ وہ سیاست، خطابت، صحافت، انشاء، طنزومزاح، سفر نامے، تاریخ، خاکہ نگاری، اداریہ نویسی، شاعری، ادبی معرکہ آرائی، کالم نگاری، خطوط نویسی، سوانح نگاری اور بے شمار اصناف ادب پر حاوی تھے۔ وہ برصغیر پاک وہند میں عبقری انسان تھا جس کی ذات اس قدر کمالات و صفات کا آمیختہ تھی۔

آغا شورش کاشمیری نے اپنی مختصر عمر میں ۲۰ ہزار سے زائد مضامین، ۵ لاکھ سے زائد اشعار، ۱۳ کروڑ سے زیادہ الفاظ، ۶۰ ہزار سے زائد تقریریں، ۳۰ کتابیں، ۵۰ قلمی معرکے، ۳۰ قومی وملی تحریکیں، اردو زبان کو ایک ہزار نئی اصطلاحات، ۲۰ ہزار سے زائد خوبصورت جملے، ۹۰۰ سے زائد انوکھی تشبیہات دیں۔ شورش کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے ۶۷ سال میں سے ۱۷ سال پس دیوار زنداں گذارے ہیں۔ انہوں نے اپنی خطابت کا آغاز مسجد شہید گنج کے واقعہ سے کیا۔ میدان خطابت میں انتہائی مختصر عرصہ میں ان کی شہرت کا سورج نصف النہار پر آ گیا۔ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مولانا ظفر علی خان اور نواب بہادر یار جنگ جیسے فن خطابت کے شہسواروں نے بھی ان کی خطابت اور شعلہ نوائی کا دل سے اعتراف کیا۔ یوں تو مجلس احرار اسلام کا ہر رہنما ہی بے مثال و باکمال عوامی خطیب تھا لیکن شورش کا انداز خطابت سب سے نرالا اور منفرد تھا۔ ان کی تقریر الفاظ کی تیزی، ترشی، روانی، ولولے اور آواز کے کڑک پن کی وجہ سے انتہائی شعلہ بار ہوتی تھی بلکہ انہیں کو یہ ملکہ بھی حاصل تھا کہ وہ اپنی پانچ چھے گھنٹے کی تقریر میں اس قدر روانی، جولانی اور الفاظ کی فراوانی کے ساتھ مسلسل بولتے رہتے۔ گویا الفاظ کا سیلاب تیز دھاری موجوں کی صورت میں آ گیا۔ مو مفکر احرار چودھری افضل حق مرحوم نے شورش کی آتش بیانی کو اس طرح خراج تحسین پیش کیا کہ "ہمارا خیال تھا خطابت صرف احرار ہی کا ورثہ ہے۔ اور ہم سے اس میدان میں کوئی آگے نہیں لیکن تم نے تو حد کر دی۔ ہم سے بھی چار قدم اور آگے نکل گئے۔" امام المجاہدین بانیٔ احرار، بطل حریت، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے شورش کو بادلوں کی طرح گرجتے اور بارش کی طرح برستے دیکھا تو فرط جذبات سے جھوم کر فرمانے لگے "مطمئن ہوں کہ میرا بڑھاپا جوان ہو گیا ہے۔ میں برگد کا درخت تو نہیں کہ اس کے نیچے دوسرا کوئی اور پودا اگ ہی نہیں سکتا۔ شورش میری مراد ہے۔" احرار کے پلیٹ فارم پر آ کر شورش نے اپنی سحر بیانی کے طفیل نہ صرف عوامی خطیب کی حیثیت سے شہرت و مقبولیت حاصل کی بلکہ پھر وہ فرنگی حکمرانوں کی نظروں میں بھی معتوب گردانے جانے لگے۔ عزیمت و استقامت کے اس کوہ بیکراں کی آتش فشاں تقریریں فرنگی استعمار کے ایوانوں کے لئے کڑکتی بجلی بن کر گرتی تھیں جن سے ان کے محلات کی بنیادیں تک لرز جاتی تھیں۔ فرنگی سرکار نے جذبۂ آزادی سے سرشار اس مرد حریت کو مرعوب کرنے کی خاطر نہایت انسانیت سوز اور سفاکانہ ہتھکنڈے استعمال کئے۔ فرنگی سرکار نے جیل کی کال کوٹھڑیوں میں مقید کر کے کاروان آزادی کے اس مجاہد کو جو ذہنی و جسمانی اذیتیں دیں ان کے تصور ہی سے دل لرز جاتا ہے اور روح کانپنے لگتی ہے۔ فرنگی حکومت نے کو آزادی کے ترانے گانے اور خواب غفلت میں محو غلام قوم کو بیدار کرنے سے باز رکھنے کے لئے تمام تر اوچھے حربے اور انسانیت سوز ہتھکنڈے استعمال کئے۔ شورش کو جیل کی جس تنگ و تاریک اور کال کوٹھڑی میں بند کیا جاتا کبھی ایسا بھی ہوا کہ پہلے اس میں پیشاب کیا گیا کہ اس کے تعفن سے بلند حوصلوں اور بیکراں ولولوں کا پیکر شورش ذہنی طور پر مفلوج ہو کے حکومت کے خلاف اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے باز آ جائے۔ اس کے علاوہ قید

فرنگ کے دورانیہ میں تحریک آزادی کے اس عظیم مجاہد کے منہ پر گوبر کا توبراتک باندھا گیا مگر تمام تر ظلم وستم سہنے کے باوجود بھی اس مرد حریت کے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش نہ آئی۔

خالق کائنات نے شورش مرحوم کی ذات میں بہت سی خوبیوں اور صفات کو مجتمع کردیا تھا وہ بیک وقت شعلہ بیاں مقرر، معجزرقم ادیب، قادر الکلام شاعر، کاروان سیاست کا سرفروش سپہ سالار، میدان صحافت کا بہادر شہسوار اور معرکۂ ختم نبوت کی بے نیام تلوار تھا۔

آغا شورش کاشمیری........ ایک محب وطن پاکستانی تھے۔ ۱۹۶۵ء میں جذبۂ جہاد کی بیداری کے سلسلہ میں ۶، ستمبر کی صبح کا نقشہ آغا صاحب مرحوم نے اپنی ایک تقریر میں یوں کھینچا۔

"۶، ستمبر کو ابھی سپیدۂ سحر نمودار ہونے میں بہت وقت باقی تھا، مرغوں کی نیند بھی پوری نہ ہوئی تھی، لاہور کے جیالے بستروں پر کروٹیں بدل رہے تھے، رات کے سناٹے میں تاروں کی چھاؤں میں بزدل دشمن نے اچانک لاہور پر حملہ کردیا اور خدا کی قسم دشمن کی گولہ باری سے لاہور کے درودیوار اس طرح کانپ رہے تھے جس طرح سیاہ رات میں گنہگار کا دل اور "اس بازار" کا آنچل کانپتا ہے۔ اور لاہور کی عورتیں اپنے ہاتھ اٹھا کر اشکبار آنکھوں سے دعائیں کررہی تھیں۔ ان کی پلکوں پر جھلملاتے آنسو اندھیری راتوں میں خندق کے اندر ڈٹے ہوئے مجاہدوں کو ہمت مردانہ، جرأت رندانہ اور نعرۂ مستانہ عطا کررہے تھے۔ شہید کی ماں عظیم ہے اس سے تعزیت نہ کرو۔ اسے دلاسہ نہ دو، اس کے آنسو نہ پونچھو، اس کی ہچکی نہ روکو۔

کہیں صبر کی نصیحت کہیں شکر کا بہانہ
تیرے آنسوؤں کی قیمت نہ چکا سکا زمانہ

آغا شورش مرحوم نے ساہیوال میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ .... "زندہ دلان ساہیوال کی ماؤں! میں تم سے ان بچوں کو مانگنے آیا ہوں جو میدان جنگ میں دشمن کے چھکے چھڑا دیں" .... اور کہا کہ...... بقولِ احسان دانش

اپنی اس تحریک میں ایسے اٹھاں گا شہید
جن کے مدفن کو زمینِ کربلا دینی پڑے
اتنا کردوں گا میں ماؤں کی محبت کو بلند
دل کے ٹکڑوں کو شہادت کی دعا دینی پڑے

شورش کاشمیری نے معاشرے کے ایک ایک ناسور کو شعر کے نشتر سے چاکیا ہے۔ خود انہی کے بقول، "اس نے بادشاہوں پر قہقہے بھی لگائے ہیں اور حکمرانوں کے گریباں بھی پھاڑے ہیں۔ اس نے مجروح عصمتوں کی حفاظت کا علم بھی اٹھایا ہے اور شرعی برہمنوں اور مذہبی راہبوں کے پرخچے بھی اڑائے ہیں۔" ان تمام شورشوں کے باوجود ان کی شاعری میں اور پیغام میں تخریب نہیں تعمیر ہے۔ شعلے ہی نہیں شبنم بھی

موجود ہے، نوحے ہی نہیں نغمے بھی ہیں۔ کانٹے ہی نہیں پھولوں کا بھی وجود ہے۔ آغا شورش کاشمیریؒ نے آخری وصیت یہ کی۔

* میں چاہتا ہوں مرنے کے بعد مجھے وہ شخص غسل دے جس نے منبر و محراب کی عظمت کو داغدار نہ کیا ہو۔
* جو کبھی انگریزی فوج میں بھرتی ہو کر ملکہ معظمہ کی حکومت کے لئے لڑا نہ ہو۔
* جس کا اوڑھنا بچھونا صرف اسلام ہو۔
* مجھے وہ شخص کفن پہنائے جس کی غیرت نے کبھی کفن نہ پہنا ہو۔
* مجھے وہ اشخاص کندھا دیں جو ظلم و جبر کے خلاف لڑتے رہے ہوں۔ جن کے ہاتھوں میں ظلم و جبر کی بیخ کنی کے بعد اس ملک کے مستقبل کی عنان ہو۔
* میرا قلم اس شخص کو دیا جائے جو اس کو تیشہ کوہکن بنا سکے۔ جس کو لہو سے لکھنے کا سلیقہ آتا ہو۔
* مجھے وہاں دفن کیا جائے جہاں گورکن قبر کی مٹی نہ فروخت کرتے ہوں۔
* مجھے وہ دوست لحد میں اتاریں جو دفنانے کے بعد بھول جانے والی تاریخی اداؤں سے واقف نہ ہوں۔
* کوئی حکمران میری قبر پر فاتحہ نہ پڑھ سکے۔ میری قبر پر ایک ہی کتبہ لکھا جائے۔

''یہاں وہ شخص دفن ہے جس کی زندگی تمام عمر عبرتوں کا مرقع رہی۔''

تحریک آزادی سے لیکر تحریک تحفظ ختم نبوت، تک قربانی و ایثار کا وہ کون سا نذرانہ تھا جو اس مرد مجاہد نے ملک و ملت کے لئے پیش نہ کیا ہو۔ آزادی سے قبل فرنگی سامراج اور قیام پاکستان کے بعد اسلام دشمن آمر حکمرانوں کے شورش مرحوم کو پابند سلاسل کرنے اور جیل میں جبر و ستم ڈھائے جانے سے حریت و جرأت کے اس رجل عظیم کو متعدد موذی امراض کا شکار بنا کے رکھ دیا تھا۔ مستقل علاج کے باوجود قافلہ احرار، کاروانِ آزادی اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے اس سرفروش مجاہد کی صحت بحال نہ ہو سکی اور بالآخر ۲۵، اکتوبر ۱۹۷۵ء کی شب دل کا شدید دورہ پڑنے کے باعث اپنے دور کا عظیم مجاہد اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

لاکھوں افراد کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے ماتم کناں سمندر نے آہ و فغاں کے شور میں دنیائے خطابت کے شعلہ بیاں خطیب اور چمنستان بخاری کے اس مہکتے ہوئے پھول کو لاہور کے تاریخی قبرستان میں ''میانی صاحب'' خلد آشیاں کر دیا۔

مرنے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں

شورش کاشمیری کا اپنے متعلق کتنا لازوال شعر ہے ....

ہمارے بعد کہاں یہ وفا کے ہنگامے
کوئی کہاں سے ہمارا جواب لائے گا